دعوت وتبلیغ کا شرعی طریقہ کار

مقالہ نگار:۔ مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری

دار الافتاء جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر 5

(نوٹ) ادارے کا مقالہ نگار کے رائے سے اتفاق ضروری نہیں)

نمبر شمار ذیلی عنوانات

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت سے مستفاد اصول
(۲) دعوت کا حکم
(۳) دعوت باطل کا حکم
(۴) دعوت حق کا حکم
(۵) شخصی مسئولیت
(۶) الادلة من القرآن الکریم
(۷) الادلة من السنة.
(۸) الادلة من الاجماع
(۹) فرضیت کی نوعیت
(۱۰) مستورات کی تبلیغی جماعت
(۱۱) مستورات کی تبلیغ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی نظر میں
(۱۲) آداب دعوت
(۱۳) داعی کی خصوصیات

پانچواں اصول:

داعی حق کو ان تمام اوقات میں دعوت سے احتراز کرنا چاہئے جن اوقات میں مخاطبین اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہوں اور وہ اگر ایسا کریں تو داعی کو چاہئے کہ وہ دعوت بڑھانے کی بجائے وہاں سے ہٹ جائیں اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے جب مخاطبین سے اعتراض ونکتہ چینی کے رجحانات معدوم ہوں تو دعوت پیش کرے۔ **قولہ تعالیٰ اذا رأیت الذین یخوضون فی اٰیاتنا فاعرض عنهم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ و اما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین (الانعام)** یعنی داعی کو دین کی خاطر استخفاف کا سامنا ہو تو اسے برداشت کرنا اس کی اولعزمی ہے لیکن جہاں دین کی توہین ہوتی ہو، دعوت کی تحقیر و تذلیل لازم آتی ہو وہاں سے فوراً ہٹ جانا چاہئے۔ جیسے کہ ہمارے تبلیغی بھائی ہیں ان کا استہزا ہوتا ہے۔ آنکھوں، ہاتھوں سے اشارے ہوتے ہیں، زبان سے جملے کسے جاتے ہیں، لیکن وہ اس کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مگر جہاں ایسا موقع آجائے جہاں دعوت کی توہین لازم آتی ہو مثلاً اہل باطل کے مجمع میں دعوت دینے سے دعوت کا رد، توڑ اور توہین کا خطرہ ہو تو کسی اور موقع کا منتظر رہنا چاہئے۔

چھٹا اصول:

مخاطبین اگر اپنے کسی دلچسپی والے کام میں منہمک ہوں جس کو چھوڑ کر دعوت کی طرف متوجہ ہونا ان کی طبیعت پر گراں گزرے اور دعوت

سننے میں طبعی ملال پیدا ہوتا ہو تو اس وقت دعوت سے احتراز کیا جائے۔ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (عن عکرمہ ان ابن عباسؓ قال حدث الناس کل جمعة فان أبيت فمرتين و ان اكثرت فثلاث و لا تمل الناس هذا القران و لا الفينك تأتي القوم و هم في حديث من حديثهم فتملهم ولكن انصت فاذا امروك فحدثهم و يشتمونه) (بخاری) مثلاً میدان کھیل میں کھلاڑیوں کو دعوت دینا دوکانداری میں مشغول افراد کو دعوت دینا۔

ساتواں اصول:

داعی کے لئے اس امر کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ دعوت میں بے فائدہ طول و تکرار سے پرہیز کرے اور دعوت کو وقفے وقفے سے جاری رکھے۔ حضور اکرمؐ اور آپ ﷺ کے اصحاب علیہم الرضوان کا یہی طریقہ کار تھا۔ حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے وعظ و نصیحت کے لئے جمعرات کا دن مقرر کیا تھا۔ دعوت کی ترتیب میں اضافے کی فرمائش ہوئی تو آپؓ نے اسے خلاف مصلحت و سنت قرار دیا۔ اور فرمایا اما انه يمنعني من ذالك اني اكره ان املكم و اني اتخولكم با لموعظة كما كان رسول الله ﷺ يتخولنا بها مخافة السامة علينا. كذا في البخاري ١٠ ،١٦ بمعناه) آج کل سلسلہ وار بیانات کا طریقہ رائج ہے۔ اس سے زیادہ بہتر تقریباً یہی ہوگا کہ دن میں ایک مرتبہ بیان ہو بقیہ دن میں دوسرے اعمال کی ترتیب و شیڈول میں اضافہ کر دیا جائے۔ مثلاً اختلاط، اجتماعی طور پر کارگزاری، کا کوئی ایسا عمل جس کے لئے نشاط طبعی کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔

آٹھواں اصول:

ایک داعی حق کو اپنے گرد و پیش کا پوری ہوشیاری و مستعدی کے ساتھ جائزہ لیتے رہنا چاہیئے کہ دعوت کے لئے کون سا موقع اچھا ہے اور موزون ہے۔ جونہی وہ اس مقصد کے لئے موزون موقع محسوس کرے تو فوراً بغیر کسی توقف کے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ اس کی بہترین مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے ایام اسیری کی دعوت ہے۔ خواب کی تعبیر پوچھنے والوں کو تعبیر بتانے سے قبل راہ ہموار کر کے دعوت توحید دی۔ قوله تعالىٰ ذالكما مما علّمني ربيّ. (يوسف. ٣٦ تا ٤٦) اس دوران دعوت کا انداز کچھ یوں رکھے کہ گویا سلسلہ سخن میں بات سے بات پیدا ہو رہی ہے۔ ایسا کرنے کا ارادہ و قصد نہیں کیا گیا۔ اس سے ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ دعوت کے موقع پر کارگزاری پیش نہ کی جائے۔ بلکہ ترغیباً ایک آدھ واقعہ پیش کر دیا جائے تو پھر معاً یہی دعوت کی طرف آجانا چاہیئے۔

نواں اصول:

داعی حق کے لئے ضروری ہے کہ مخاطب کے درجہ حیثیت کا خیال رکھتے ہوئے مدعا پیش کرے مثلاً اہل علم سے خطاب کا انداز و لب و لہجہ اس سے بالکل مختلف ہوگا۔ جو طریقہ کار عامی سے خطاب میں اختیار کیا جاتا ہے غرض یہ کہ مخاطبین کے مراتب کو سامنے رکھ کر بات کرنی چاہیئے اور جس قدر داعی و مخاطبین کے درمیان اشتراک ہو اس کا لحاظ کیا جائے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ داعی و مخاطب کے درمیان موانست و قرب پیدا ہو جائے گا جیسا کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ نے اہل کتاب سے مجادلہ و مباحثہ کی اجازت دی تو اس کے ساتھ

اس کی صورت بھی بیان فرمائی کہ مسلمات کا اقرار واعتراف کروتا کہ متذکرہ فائدہ حاصل ہو قولہ تعالیٰ ولا تجادلوا اھل الکتاب الابالتی ھی احسن الا الذین ظلموا منھم و قولوا امنا بالذی أنزل الینا و أنزل الیکم و الٰھنا و الٰھکم واحد ونحن لہ مسلمون. (عنکبوت ۴۶/) اس سے معلوم ہوا کہ داعی ومخاطب کے مسلمات کو تسلیم کرنا چاہیئے بلکہ دعوت کا آغاز ہی اس طرح ہونا چاہیے مثلاً اہل بدعت و نام نہاد عشاق رسول ﷺ سے سابقہ پڑے تو دعوت کا آغاز سیرت سے کیا جائے فضائل درود سے بحث کی جائے پھر آگے آپ ﷺ کی محنت و دعوت کے حوالے سے بات کی جائے روافض سے بات کرتے ہوئے اہل بیت کے فضائل اور غیر مقلدین سے بات کرتے حدیث کی اہمیت سے گفتگو کی جائے تو اس طرح انہیں اپنا پروگرام اور دعوت پہنچانے میں آسانی ہوگی۔

دسواں اصول:۔

داعی حق اگر مخاطب کے اندر عناد اور ہٹ دھرمی محسوس کریں تو وہاں امر حق کسی ایسے پہلو سے پیش کیا جائے جس پر اس کو اپنی ہٹ دھرمی کے اظہار کا موقع نہ ملے بلکہ اگر قبول حق کی صلاحیت ہو تو اس کو قبول کرے ورنہ اس کو بحث وجدال کی راہ تو کم از کم نہ ملے۔ جب کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک بادشاہ کا مناظرہ مذکور ہے جو اس کی بہترین مثال ہے۔ قولہ تعالیٰ (الم ترا لی الذی حاجّ ابراھیم فی ربّہ ان اتاہ اللہ الملک اذقال ابراھیم ربیّ الذی یحی ویمیت قال انا أحیٖ وأمیت قال ابراھیم فان اللہ یأتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب فبھت الذی کفر واللہ لا یھدی القوم الظالمین (بقرہ ۲۵۸/) یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معترض کی قابل اعتراض اور قابل جرح بات سے معاوضہ نہیں فرمایا بلکہ حکمت سے کام لیتے ہوئے اگلی دلیل ایسی پیش کردی جس سے وہ ہکا بکا رہ گیا۔

گیارھواں اصول:

داعی کو دعوت وتعلیم میں جلد بازی سے کام ہرگز نہیں لینا چاہیے بلکہ جسمانی ومادی خوراک کی طرح روحانی خوراک کی تعداد میں بھی یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ یہ خوراک فسادِ معدہ اور سوء ہضم کا سبب تو نہیں بن رہی ہے اور یہ چاہئے کہ دعوت اور محنت کا پودا لگا لینے کے بعد اس کی آبیاری دیکھ بھال، ہر ایک پر نظر ہو، تا کہ وہ نشو نما پا سکے۔ اگر جلد بازی سے کام لیا جائے تو فساد، خرابی و بدہضمی کا ذریعہ وسبب ہوگا۔ اس لیے ایک داعی کو چاہئے کہ دعوت میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ دعوت کے بعد ان کی تربیت کا انتظام واہتمام بھی کردے جب کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرطِ محبت اور شوق لقاء میں آکر جلدی کرنا معلوم ہوتا ہے۔ وماأعجلک عن قومک یموسیٰ ٥ قال ھم اولآء علی اثری ٥ و عجلت الیک ربّ لترضیٰ قال فاناّفتنا قومک من بعدک واضلھم السامری (طہ ۸۳ تا ۸۵) اس طرح آپ کو احکام الٰہی معلوم کرنے کیلئے بہت ہی چاہت اور جلدی ہوا کرتا تھا جب کہ حق تعالیٰ نے خاص حکمت کے تحت وقفے وقفے سے قرآن کریم نازل کرنے کا فیصلہ فرما رکھا تھا۔ قولہ تعالی ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ وقل رب زدنی علما (طہ)

انہی تدریجی مراحل کے ذریعہ تعلیم وتبلیغ صحابہ کرام کا مزاج بھی تھا۔اور علم کے مطابق تربیت بھی کیا کرتے تھے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قال کان الرجل منا اذا تعلم عشر ایات لم یجاوز ھن حتی یعلم معانیھن والعمل بھن.

بارھواں اصول:۔

داعی کے پیش نظر یہ ہونا چاہئے کہ اپنوں سے لاپرواہی اور بیگانوں کو اپنا بنانے کی انتھک کوشش میں لگنے کی بجائے اپنوں کی تعلیم و تربیت کو ترجیح دے۔قرآن کریم سے یہی اصول استفادہ ہوتا ہے کہ دعوت سے بیگانہ لوگوں کے دعوت دینے کی خواہش اتنی غالب نہ ہونی چاہئے کہ اس انہماک میں اپنوں کا اور ان غریبوں کا حق مارا جائے جو بے چارے دعوت قبول کر کے تربیت وتزکیہ کیلئے منتظر بھی ہیں اور اس کے محتاج بھی ہیں۔لا تمدن عینیک الی ما متعنابہ ازوا جا منھم ولا تحزن علیھم واحفض جناحک للمؤمنین.قولہ تعالیٰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوٰۃ الدنیا.قولہ تعالی: عبس وتولیٰ ان جاءہ الا عمیٰ وما یدریک لعلہ یزکیٰ او یذکر فتنفعہ الذکریٰ امامن استغنیٰ فانت لہ تصدیٰ. اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔کہ جماعت میں نکل کر دوسروں کو شامل دعوت کرنے کی بنسبت اپنے ساتھیوں پر زیادہ محنت کی جائے۔ان کی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے۔جس قدر ممکن ہو انہیں تو فائدہ ضرور پہنچنا چاہئے۔نامناسب ہوگا کہ دوسروں کو دعوت دینے میں لگے رہے۔اور جو دینی تڑپ لے کر ساتھ گھوم رہے ہیں۔ان پر کم توجہ دی جائے۔

تیرھواں اصول:

داعی کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔کہ ہمہ تن حالت پر نظر ہو اگر حلقہ دعوت میں کوئی اصولی یا مقصد سے بغاوت نظر آئے تو اس کا قلع قمع کرے اگر کسی قسم کی بے قاعدگی کا خدشہ محسوس کرے تو اس کے سد باب کے لئے پیشگی اقدامات کرے تاکہ معاشرے میں کسی قسم کے فتنہ برپا نہ ہو اگر اس سے پہلو تہی کیا گیا تو اس فتنے کی زد بھی کوئی مخصوص طبقہ نہیں بلکہ پوری قوم اس سے دوچار ہو کر رہ جائے گی خواص کی محنت اور دعوت کا سلسلہ قائم نہ رہ سکے گا اور عوام میں بے اعتمادی عام ہوگی جس کے نتیجے میں امید کی کرنیں بجھ جائیں گی اور سارا کیا کرایا صفایا پذیر ہو جائے گا۔ہست نیست میں بدل جائے گا۔قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:واتقوا فتنۃ لاتصیبن الذین ظلموا منکم خآصہ واعلموا ان اللہ شدیدا لعقاب (الانفال.۲۵)

چودھواں اصول:

دعوت وتبلیغ میں ہر ہر فرد کو حصہ لینا چاہئے۔اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم قوم اور قبیلے کے چیدہ چیدہ اشخاص کی ایک جماعت اس خاطر کم از کم نکلا کرے یہ ضروری ہے۔(وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ، فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذر وا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذ رون (توبہ ۲۵)

پندرھواں اصول:

آزمائش اورامتحانی مقامات پرخصوصی توجہ درکار ہے۔آزمائش کاوقت گزرنے پراس کی اصلاح ضروری ہے۔لازماًاصلاح کرے۔
ملخص از(دعوت دین اوراس کاطریق کار)

دعوت کاحکم:۔

دعوت کی دوقسمیں ہیں۔ا۔دعوت حق ۔۲۔دعوت باطل اسی طرح داعیان بھی دوطبقوں میں تقسم ہیں۔عوام وخواص۔ہرایک قسم وطبقہ کا حکم اورتکلیف دوسرے سے مختلف ہے۔

دعوت باطل کاحکم۔

دعوت باطل حرام ہےاس کی اجابت بھی حرام ہےاولٰئک یدعون الی النار واللہ یدعو الیٰ الجنة والمغفرة(البقرہ آیت ۲۲۱) تدعوننی لاکفر باللہ واشرک بہ مالیس لی بہ علم. (غافر ایت ۴۲)یا قوم مالی ادعوکم الیٰ النجاة وتدعوننی الیٰ النار.(غافر آیت ۴۱)لاجرم انما تدعوننی الیہ لیس لہ دعوة فی الدنیا ولا فی الاٰخرة. (غافر آیت ۴۲)یا یھاالنبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین .(الایة)

دعوت حق کاحکم۔

دعوت حق فرض ہےاوراس کی اجابت بھی فرض ہے.ا دع اِلٰی سبیل ربک بالحکمةوالمو عظة الحسنة. (النحل. آیت ۱۰۴)ادع الیٰ ربک ولا تکو نن من المشر کین(القصص. آیت ۸۷)وادع الیٰ ربک.... انک لعلٰی ھدی مستقیم ہ (الحج آیت ۶۷) اس دعوت کاوجوب جس طرح آنحضرت ﷺ کے حق میں تھا۔اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی تبلیغ دین اوردعوت حق کی لازمی طور پرمکلّف ہے۔قرآن وسنت اوراجماع امت سےاس پرواضح دلائل موجود ہیں۔

شخصی مسئولیت:

ہرشخص کواپنے اپنے دائرہ اقتدارواثر میں ذمہ دارومسئول ٹھرایا گیا ہے کہ وہ اپنی پوری طاقت وقوت اوراثرورسوخ کے بقدر اپنے حلقہ اثرکو منہیات سے روکنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے الا کلکم راعٍ وکلکم مسؤل عن رعیتہ (بخاری ۲۱ص ۳۴۷) ارشادخداوندی ہے کہ یآیھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً(الا یة) اہل میں اولاداہل خانہ اورتمام ماتحت داخل ہیں غرض یہ کہ اپنے متعلقین کی مسئولیت خصوصی تبلیغ ودعوت،امر بالمعروف ونہی عن المنکر اوراشاعت علم کولازم قراردیا۔اورامت مبعوثہ کو اپنی منصبی ذمہ داری پوراکرنے کیلئے تعلیم وتبلیغ کے فرائض بجالاتے رہنے کی پرزورتلقین کی گئی ہے۔مکہ مکرمہ میں صحابہ کرامؓ عموماًانفرادی طورپراپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کیا کرتے تھے۔قرآن وسنت اوراجماع امت سے دعوت حق کے فرض ہونے پردلائل۔

"الادلة من القرآن الكريم "

۱) قل هٰذه سبیلی ادعوالیٰ الله علی بصیرة انا ومن اتبعنی وسبحان الله وما انا من المشرکین (یوسف آیت۱۸)

۲) وکذٰلک جعلنکم امة وسطاً لتکونوا شهداء علیٰ الناس ویکون الرّسول علیکم شهیدا (بقرة. آیت ۱۴۳)

۳) لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة لمن کان یرجو الله والیوم الأخر (احزاب آیت ۲۱)

(۴) کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله ،ولو آمن اهل الکتاب لکان خیرالهم (آل عمران. آیت ۱۱۰)

۵) والمؤمنون والمؤمنٰت بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر (توبة. آیت ۷۱)

۶) ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر. (النساء. آیت ۱۰۰)

۷) وما کان المؤمنون لینفروا کافّة فلولا نفرمن کل فرقةمنهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذارجعوا الیهم. (توبه. آیت ۱۲۲)

الادلة من السنة:

۱) من رای منکم منکرًافلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذٰلک أضعف الایمان (مسلم ۵۱ کتاب الایمان)

۲) الدین النصیحة قلنا لمن یارسول الله قال لله ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم (مسلم)

۳) ان الناس اذا ا تو ا لمنکر ولم یغیروه اوشک ان یعمهم الله بعقاب. (مسند احمد عن قیس بن حازم)

الادلة من ا لاجماع:

امت مسلمہ آج تک اس فریضے کوسرانجام دیتی چلی آرہی ہے۔خلفائے راشدین کاطریقہ کاریہی رہاہے۔اس کے بعد سے بھی یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

فرضیت کی نوعیت:

آیادعوت وتبلیغ فرض عین ہے یافرض کفایہ ہے؟اس تفصیل کااجمال یہ ہے کہ دعوت کے مکلفین دوطبقوں پرمشتمل ہیں عوام وخواص کے حق میں فرض عین کہاجائے گا۔البتہ عوام کے حق میں فرض کفایہ ہے۔دوسری تعبیردعوت وتبلیغ خواص کے واجبات وفرائض میں ہے۔یاعوام بھی اس کے مکلف ہیں؟اس بیان میں دونوں طرح کی آراء ملتی ہیں۔اوردونوں آراؤں کی بنیادبھی قرآن وسنت پرہے۔بعض علماء نے ہرمسلمان مکلّف(خواہ مردھویاعورت)پردعوت وتبلیغ کوواجب وفرض قراردیاہے۔اس لئے وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر یادعوت وتبلیغ سے متعلق نصوص کےعمومات اوروجوب پردلالت کرنے والے امر کے صیغوں سے استدلال کرتے ہیں۔مثلاً حجة الوداع کے موقع پر

آپ ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ "فليبلغ الشاهد الغائب یا من رأى منكم منكراً فليغيره بيده الخ وغیرہ الفاظ کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جن میں حکم تکلیفی عام ہے۔نصوص کے ان عمومات میں حکم تکلیفی کا بعض کے ساتھ مختص ہونا اور بعض کے ساتھ مختص نہ ہونا قطعاً معلوم و مفہوم نہیں ہوتا ہے۔یعنی بعض مکلف ہوں اور بعض نہ ہوں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے۔

اور بعض علماء کرام کا دوسرا طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ دعوت وتبلیغ فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے۔اس کی تکلیف بعض کے ساتھ خاص ہے،دوسرے بعض ان کی موجودگی میں اس تکلیف اور فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں گے۔ان پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوگی جن کی تعبیر انہوں نے یہ بھی کی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے،اس کی فرضیت و وجوب صرف خواص اور اہل علم کو شامل ہوگی،عامۃ الناس اس کے مکلف ہیں نہ خواتین اور دیگر وہ مکلفین جنہیں کسی ضرورت ومصروفیت نے اس کی بجا آوری سے باز رکھا ہو۔ان حضرات سے اپنی رائے کی بنیاد آئندہ دلائل پر رکھی ہے(۱) ولتكن منكم امة يدعون الى الخير الايه) اس آیت کریمہ کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دعوت کی فرضیت و وجوب کو سب پر عائد نہیں فرمایا بلکہ(ولتكن منكم میں من تبعیضیہ ہے جس کے معنی ہوگا کہ(ولتكن بعضكم قائمين لهذه الدعوة) جیسا کہ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے(ومن في قوله منكم لتبعيض ومعناه ان الأمرين يجب ان يكونوا علماء و ليس على كل الناس آه (تفسير قرطبى) الغرض اس کی فرضیت میں نوعیت کا اختصاص ضرور ہے۔

۲۔ وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون اس آیت مقدسہ میں سب پر نہیں بلکہ ان میں سے ایک طائفہ پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے لیکن یاد رہے کہ اس کا یہ مفہوم نہیں لینا چاہیے کہ انفرادی دعوت کی کوئی حیثیت ہی نہیں کیونکہ خواص کے ساتھ اجتماعی دعوت کے اختصاص سے تو یہی معلوم ہوگا کہ عوام کے ذمے سے فریضہ تبلیغ ساقط ہو جائے۔یہ مطلب نہیں کہ عوام اس کی طرف توجہ ہی نہ دیں بلکہ ان کے لئے بھی مستحب ہے۔کہ وہ بھی دعوت دیا کرتے تھے۔جب کہ سرکاری سطح پر اس ذمہ داری سے غفلت کے نتیجے میں عوام کو بھی چاہیئے کہ وہ خواص کے شانہ بشانہ اس میں حصہ لیں عوام کو دائرہ کار کی حدود و قیود سے بے نیاز قطعاً نہیں ہونا چاہیے بالخصوص ان امور میں تو انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے بلکہ احتیاط لازم اور واجب ہے۔جن میں شریعت کی مخالفت لازم آتی ہو۔اور اس قسم کی کوتاہیوں کا احساس دلانے والوں کا احسان مند ہونا چاہیئے تاکہ بے دینی کو دین سمجھ کر کرنے کی عظیم غلطی کا شکار نہ ہوں اور دین کی تبلیغ کی بجائے اسلامی اقدار کی پامالی نہ ہو اور خدائی حدود کی خلاف ورزی نہ ہو مثلاً مذکورہ تفصیل کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کا فرض کفایہ ہونا معلوم ہوا۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے مکلف فقط خواص ہیں لیکن عوام میں دینی رجحان کا پیدا ہونا بھی ایک نیک شگونی ہے اس لئے ان کے حق میں مستحب قرار دیتے ہیں اور اس کے مثبت نتائج کے پیش نظر اس کی اہمیت،حسن کارکردگی اور بے حد سود مند ہونا نا قابل انکار حقیقت ہے اس لئے عوام کو بھی چاہیئے کہ وہ اس میں بھرپور حصہ لیں بالخصوص امت مسلمہ کو دین کے قریب لانے کی علماء دیوبند کا وضع کردہ یہ ایک بہترین ترتیب جو تبلیغی جماعت کے شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے۔مسلمان اس میں جس قدر بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔اور اس کام کی برکت

سے اس کی بنیاد رکھنے والوں کی خلوص وللّٰہیت کا نتیجہ ہے۔ کہ آج دنیا کا کوئی کونہ شاید ہی ایسا ہو جو ان کارندگان دعوت وتبلیغ سے خالی ہو اس کو جتنا سراہا جائے کم ہے۔ اور جس قدر کمزوریاں نظر آئیں وقت کی نزاکت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی اصلاح کی جائے ورنہ تنقید کا نشانہ قطعاً نہ بنایا جائے لیکن بعض وہ امور جن کے اہداف واغراض انتہائی نیک اور نتائج کتنے ہی مثبت ومفید کیونکر نہ ہوں لیکن شرعی حدود کا پاس رکھنا مشکل ہو رہا ہو۔ تو وہاں ان فوائد اور نیک اہداف سے قطع نظر کرتے ہوئے شرعی قابل اصلاح غلطی وہ ہے جس میں تقریباً اس کام سے وابستہ کم وبیش سب ہی مبتلا ہیں اور عوام اور نادانستہ طبقہ بالخصوص جنہوں نے دین کو فقط اس ایک ہی شعبے تک محدود سمجھ رکھا ہے۔ جب کہ دین کے کئی شعبے ہیں۔ کسی ایک ہی کو دین سمجھ لینا دینداری کس طرح ہو سکتی ہے؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے **أدخلوا في السلم كــــــآفة** اگر بعض پر عمل ہی کافی ہوتا تو پورے دین میں داخل ہونے کا کیا معنیٰ؟ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ اس قسم کے خیالات دینی حلقوں میں شیاطین کے وساوس ہو سکتے ہیں۔ جو ایک مسلمان کو پورے دین پر چلنے سے اس طرح بیزار رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے کہ اس کا عملی ذخیرہ محدود دائرے سے تجاوز نہ کرنے پائے اس کو اسی میں یہ کہہ کر محدود کیا جائے کہ دین اسی کا نام ہے پھر اچھی طرح یہ محنت ہوتی ہے کہ تیرے ماسوا سب بے دین ہیں۔ یہ تقریباً پہلی کوشش کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ اس کو یقین کیا گیا ہے۔ کہ دین یہی ہے ظاہر ہے جو اس میں نہ ہوگا وہ بے دین ہوگا اس طرح اس فتویٰ کی زد سے عوام وخواص اور اس کام سے لاتعلق ہر فرد نہیں بچتا ہے۔ حتی کہ علماء تک معافی اور چشم پوشی کے مستحق نہیں سمجھے جاتے اور چشم دید واقعات اس کے مؤید ہیں۔ مستقل محاذ آرائی کی نوبت کو بھی غیر معمولی سمجھا جاتا ہے جب کہ حدیث میں علماء سے مجارات کرنے والوں کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ لازماً یہی کہنا پڑتا ہے کہ تبلیغ سے یہ مقصد نہ تھا لیکن شیطان کے جھانسے میں آکر ایسی بے سروپا دین سے بیزار کرنے والی غیر ارادی کوششیں ہو رہی ہیں۔

مستورات کی تبلیغی جماعت:

عصر حاضر میں دعوت وتبلیغ کے دائرہ کار کو اس حد تک وسعت دیدی ہے کہ درجہ تکلیف سے صرف نظر کرتے ہوئے خواتین کو اس میں شامل کر لیا گیا جبکہ درجہ تکلیف کو مدنظر رکھنا بھی ضروری تھا۔ پھر شریعت کی الگ حدود کو بھی سامنے رکھتے ہوئے دائرہ کار کی توسیع فرمائی جاتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ مردوں کی طرح خواتین اسلام کو بھی گھروں سے میدان تبلیغ میں کھینچ لاتے ہیں حالانکہ یہ سمجھنے کیلئے سرسری نظر بھی کافی تھی۔ کہ خواتین اسلام کو دیگر فروض عینیہ حتی کہ میدان جہاد میں لے جانے کو بھی مقام نسوانیت کے منافی قرار دیا ہے حالانکہ متعدد واقعات سے عورتوں کا شریک جہاد ہونا مسلّم ہے لیکن اس کے باوجود جہاد کی اجازت نہیں دی گئی تو کیا مجال کہ میدان تبلیغ کی ضرورت اس کو تمام شرعی تقاضوں سے بے نیاز کر دے اور وہ اس میدان میں ایک مکلف کی حیثیت سے کردار ادا کرے۔

حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ نے حیاۃ الصحابہؓ میں تو باقاعدہ باب باندھا ہے کہ **"الانكار علىٰ خروج النساء في الجهاد"** اس کے ذیل میں ام کبشہؓ کی روایت ذکر کی ہے **(اخرج الطبراني عن ام كبشة رضي الله عنهما امراة من عذره عذرة من قضاعة انها قالت يا رسول الله ﷺ اتاذن ان اخرج جيش كذا و كذا قال: لا قالت يا رسول الله ﷺ انه ليس اريد ان اقاتل انما اريد اداوي الجرحىٰ والمرضىٰ او استقي المرضىٰ قال لولا ان تكون سنة ويقال فلانه**

خرجت لاذنت لک ولکن اجلسی (حیاۃ الصحابہؓ للشیخ محمد یوسف دھلوی) اوراسی طرح وہ بعض اعمال جن میں خواتین کی شرکت کا تذکرہ اوراصل بھی ملتی ہے۔لیکن اس کے باوجود چند شرعی مفاسد کی بناء پر اسے ناجائز قراردیا ہے۔فرمایئے کہ نماز باجماعت اور جنازہ وغیرہ فرض کفایہ اورفرض عینیہ وواجبات میں شرکت درست نہیں ہے۔تو دعوت وتبلیغ جیسے فرض کفائی میں شرکت کا اہتمام کیونکر درست ہے؟ جب کہ ادھر احکام نساء سے متعلق کئی آیات ونصوص ولالۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مستورات کا تبلیغ کیلئے یا کسی بھی غیر ضروری کام کیلئے گھروں سے نکلنا قطعاً درست نہیں ہے کیونکہ لفظ عورت بذات خود اس بات کا مشعر ومتقاضی ہے کہ عورتیں گھروں میں پنہاں رہنے کی چیز ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ (وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ الایۃ (الاحزاب آیت ۳۳) نیز حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ (ان المراۃ اذا خرجت عن بیتھا استشر فھا الشیطان (الحدیث) باقی جہاں تک جماعتی تربیت واصول کے مطابق ان شرائط کا تعلق ہے۔جن کی رعایت کے ذریعے اس ترتیب کو نصوص شرعیہ سے غیر معارض قرار دیا جاتا ہے۔اگر ان کا اعتبار کرلیا جائے تو ایک سوال پھر بھی ابھرتا ہے کہ آیا ان کا جماعت کی صورت میں جانا سیکھنے کے لئے ہے یا سکھانے کے لئے؟ اگر سیکھنے کے لئے ہے تو اس کو ضرورت کہنا پڑتا ہے۔کیونکہ تعلیم عورت کی ضرورت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی نسوانی تعلیم کا درجہ تھا۔خود حضور ﷺ کے تعدد ازواج کی ایک حکمت یہی بتائی جاتی ہے۔کہ یہ مدرسۃ البنات کی طالبات تھیں جو حضور اکرم ﷺ سے دینی مسائل سیکھ کر امت تک پہنچاتی اوراپنے حلقہ احباب کو بہرہ مند فرماتیں۔اس کے علاوہ عام عورتوں نے بھی تعلیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اس لئے اس قسم کی احادیث مبارکہ سے جہاں ان کی تعلیم کا جواز ورواج معلوم ہوتا ہے۔اوراس سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عورتیں حصول تعلیم کے لئے کوشش ومحنت کرسکتی ہیں۔وہاں اس پہلو کا اعتبار نہ کرنے سے بات ادھوری رہ جاتی ہے۔کہ آپ ﷺ کا طریقہ تعلیم کیا تھا؟ جہاں نفس تعلیم کے ثبوت کے لئے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ ضروری سمجھتے ہیں۔وہاں یہ بھی دیکھا جائے کہ آپ ﷺ کا طریقہ تعلیم کیا تھا؟ نسوانی تعلیم سے جملہ احادیث مبارکہ سے تقریباً یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے بندیوں کو محلے کے کسی مکان میں جمع ہونے کا حکم فرماتے۔ اور پھر وہاں تشریف لے جاکر وعظ فرماتے۔انہیں تبلیغ وتعلیم سے روشناس فرماتے۔یہ کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ محلہ یا شہر،اندرون یا بیرون ملک اسفار کراتے ہوں جس کی وجہ یہی تھی کہ ان کی تعلیمی ضرورت پورا ہونے کے لئے کسی سفر کی ضرورت ہے۔نہ ماثور ومنقول ہے۔بلکہ گھروں ہی میں ان کی تعلیم کا اہتمام ہوسکتا ہے۔والد،شوہر اور بھائیوں سے تعلیم سیکھیں جب کہ پہلے بھی یہی طریقہ رہا ہے،اس میں نہ صرف یہ کہ علمی ضرورت پوری ہوگی بلکہ عین سنت نبویؐ پر عمل بھی ہوگا۔اس لئے ہم یہ گزارش کرنے میں خود کو معذور سمجھتے ہیں۔کہ جہاں پر کئی جائز اور مباح چیزوں کو محض اس بنیاد پر ترک کیا جاتا ہے کہ اس کی نظیر سنت میں موجود ہے۔اس لئے وہاں سنت پر ہی عمل کرنا بہتر ہے۔مثلاً جم غفیر میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہ کرنا محض اس لئے کہ تکبیرات اور مکبر کا عملی نمونہ موجود ہے۔اس لئے یہاں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مستورات کی تعلیم کی ضرورت پورا کرنے کے لئے سنت نبوی ﷺ بھی تو موجود ہے آخر اس سے پہلو تہی کی کون سی ضرورت پیش آئی ہے یا (معذرت کے ساتھ) لاعلمی میں طریقہ رواج پکڑ چکا ہے اس کو کیوں کر چھوڑا جائے۔لاعلمی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر علمی نظر دقیق کے ذریعے جائزہ

لیا جاتا تو ہزاروں مصالح کو شرعی مفاسد کے سامنے مات دی جاتی اور اس کے لئے دور جانے کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوتی بلکہ خود مشائخ دعوت وتبلیغ کی تالیفات وتصنیفات میں ایسے راہنما اصول مل سکتے تھے۔ جن کے روشنی میں اس معمٰی کو خوش اسلوبی سے حل کیا جاسکتا ہے۔ اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسی اچھوت طریق کا اختراع یوں نہ کرنا پڑتا۔ کیونکہ ہمارے اسلاف کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ حق و صداقت کی معرفت کے بعد کسی مسئلے پر مداہنت یا نرمی سے کام لیں قطعاً نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مستورات جماعت بنا کر سکھانے کے لئے جاتی ہیں۔ تو دعوت کے حکم کو نظر سے گزار دینے کے بعد یہ وجہ نامعقول بہانہ یا توجیہ معلوم ہوگی کیونکہ خواتین اس ذمہ داری تبلیغ سے قطعاً مستثنٰی ہیں۔ ان پر یہ ذمہ داری عائد ہی نہیں ہوتی اس لئے کہ عورتوں کے گھروں میں استقرار اور غیروں کی نظروں سے پنہاں رہنے کے لئے جس قدر نصوص ہیں۔ ان کا معارضہ اور علمی مخالفت لازم آئے گی۔ جسے گوارا کر لینا کسی بڑی جرأت وجسارت سے کم نہیں۔ باقی رہا مجوزہ شرائط کی رعایت کے ساتھ نکلنے کا مسئلہ تو اس بارے میں یہ استفسار چاہتے ہیں۔ کہ محارم وغیرہ کی معیت تابع کی حیثیت سے ہوتی ہے یا متبوع کی حیثیت سے؟ اگر متبوع کہیں تو خلاف حقیقت ہوگا ورنہ مستورات کی جماعت کا نام دینے کا کیا مطلب؟ ظاہر ہیں کہ تابع اس طرح مستقل طور پر عورت کو نکالنا (وقرن فی بیو تکن (الایة) نص قطعی کے خلاف ہے۔ نیز اگر شرائط کے ساتھ اجازت دی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرائض عینیہ میں شرائط کا التزام کیوں نہیں کرایا گیا؟ وہاں تو مطلقاً فتنے کے سد باب کیلئے مسجد میں حاضری کو ممنوع قرار دیا گیا۔ بلکہ عورتوں کیلئے تو رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں حاضری کے لئے نہ صرف خود شرائط مقرر فرمائیں بلکہ عورتوں کے سرپرستوں کو ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکیں۔ اس کے باوجود مستورات کو مسجد میں آنے سے منع کیا گیا۔ اور کبار صحابہؓ نے اس کی تائید کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ مساجد میں اختلاط کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ممنوع ہے تو کیا اگر اختلاط کے تمام ذرائع ختم کر دیئے جائیں۔ عورتوں کے آمدورفت کا راستہ بالکل اختلاط سے محفوظ کر دیا جائے تو کیا ان حضرات کے نزدیک پھر مسجدوں میں آنے کی اجازت ہوگی؟ ایک سوال قابل غور یہ بھی ہے کہ عام طور پر وہی مستورات جماعت میں نکلتی ہیں جن کے مرد حضرات اس کام میں جڑے ہوتے ہیں۔ اکابرین تبلیغ کی طرف سے مقرر کردہ ترتیب میں روزانہ گھر کی کم از کم نصف گھنٹے کی تعلیم ضروری ہے۔ اگر ان مرد حضرات نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور عورتوں کو تعلیم حاصل ہوگئی ہے۔ تو پھر نکلنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اگر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوئے تو پھر عورتوں پر اپنی ذمہ داری ڈالنا کیا آج کے مادی دور میں اس کے برابر نہیں کہ مرد کمائی کرنے سے بیٹھ جائیں۔ اور کسب معاش کا بار گراں عورت کے ناتواں کندھوں پر ڈالا جائے؟ اگر عورتوں کے نکالنے سے مقصود ان کو دینی مسائل سے واقف کرانا ہے تو یہ کام بغیر نکلے ہوئے اپنے شہر میں بھی ہوسکتا ہے۔ اور یہی طریقہ اقرب الی السنت ہے۔ تو پھر خروج کیوں ضروری قرار دیا جاتا ہے؟ اگر تعلیم کے حاصل کرنے کے لئے خروج جائز ہی قرار دیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہے کہ عورت سکھانے کے لئے بھی سفر کرے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر کچھ عرصہ قبل تک سے پہلے کسی دور میں عورتوں کا دعوت کے لئے نکلنا ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ جہاد میں شدوذ طور پر نکلنا کسی بھی طرح دعوت کے لئے نکلنے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیا علماء کرام اس دور میں جہاں جہاں حقیقی فرض کفایہ ہو عورتوں کے خروج کی اجازت دیں گے۔ خود بانی دعوت وتبلیغ نے اپنی ترتیب میں عورتوں کے نکلنے کی ترتیب کیوں نہیں

رکھی۔ان کے بعد ان کے جانشین امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ نے عورتوں کی نقل وحرکت کے لئے کیوں غفلت برتی؟ بلکہ ان حضرات کے ملفوظات میں عورتوں کے نکلنے کی ممانعت ملتی ہے۔اور یہ حضرات عورتوں کی تبلیغ اسی کو قرار دیتے ہیں کہ عورتیں اپنے خاوند، بچوں کے نکلنے کا ذریعہ بنیں۔ان کے بعد بچوں کی اچھی تربیت کریں۔اوران کے دین کے لئے نکلنے میں رکاوٹ نہ بنیں۔خدارا محض کچھ فائدہ دکھائی دینے سے مستقبل کے لئے ایک فتنے کا دروازہ نہ کھولیے۔صرف وقتی فائدہ اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔کیونکہ کوئی بھی کام کسی نہ کسی فائدے سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ محرمات قطعیہ میں بھی کوئی نہ کوئی فائدہ پایا جاتا ہے۔خود اللہ جل شانہ نے خمر وقمار کو بھی نفع سے خالی قرار نہیں دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اثمهما اکبر من نفعهما (بقرہ) نوٹ:مستورات کیلئے تبلیغی جماعت میں نکلنا موجودہ دور کے علماء کے نزدیک جائز ہے نہیں بلکہ ایک امر مستحسن ہے۔چنانچہ عصر حاضر کے جید عالم دین مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب کا ایک فتویٰ بابت مسئلہ مذکورہ ملاحظہ ہو چنانچہ موصوف ایک سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں۔

سوال: شریعت میں عورتوں کے لئے تبلیغ میں گھر سے نکلنا جائز ہیں یا ناجائز؟

الجواب:چونکہ موجودہ زمانہ میں عوام بلکہ خواص کے گھروں میں اصلاحی کام کالعدم ہے لھذا اس زمانے میں اصلاح اور حصول علم دین کیلئے عورتوں کا گھروں سے نکلنا جو باشرائط اور باقاعدہ ہو قابل تحسین امر ہے (یدل علیه ما رواه الامام البخاری فی صحیحه ص ۲۰ ج ۱) عن ابی سعید الخدریؓ قال قالت النساء للنبیؐ غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یومًا من نفسک فوعدهن یومًا لقیهن فیه فوعظهن و امرهن (الحدیث) پس جب بیان کرنے والا بھی عورت ہو تو بطریق قابل تحسین ہوگا۔ البتہ جب فتنہ کو خوف ہو تو خاوند یا محرم کی موجودگی ضروری ہوگی کما عند الضرورۃ الشرعی لحدیث وردبذلک رواه البخاری (فتاویٰ فریدیہ ج ۱ ص ۱۷۹) (نوٹ) عورتوں کا مردوں کی مجالس میں حاضر ہونا حسب تصریح فقہاء ممنوع ہے۔(حوالہ بالا)

تنبیہ:۔فتویٰ مذکورہ کے بعد مقالہ ھذا میں مستورات کے متعلق ذکر شدہ بیان محض ایک تحقیق اور مقالہ نگار کی رائے ہے اور ادارے کا مقالہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں۔

مستورات کی تبلیغ حضرت مولانا مفتی محمود حسنؒ کی نظر میں:۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک طویل سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں عورتوں میں تبلیغ کی بے حد ضرورت ہے اگر اپنے مکان پر ان کو دین سکھانے اور کتاب سنانے کا انتظام کردیں تو بہتر ہے یا پھر اپنے شہر میں ہفتہ میں ایک دن ان کے اجتماع کا مقرر کردیا جائے یہاں سب پردہ کے ساتھ جمع ہو جایا کریں اگر کہیں سفر ہی کرنا ہو تو شوہر یا کسی محرم کے ساتھ جانے کا انتظام کیا جائے تاکہ دینی نقصان بھی نہ ہو فتنہ سے بھی امن رہے عورتوں کی ترغیب کا مقصد بھی حاصل ہو جائے۔(حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۹۱۶/۸ھ ، فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲/ص ۲۴۶ اسی طرح کا فتویٰ ج ۱۴/ص ۱۱۶ پر بھی ہے۔بحوالہ کتاب ”حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ اور جماعت تبلیغ“

مستورات کا جماعت کی شکل میں دور دراز سفر:۔

اس طرح حضرت مفتی محمود حسنؒ صاحب ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں جو مستورات کی جماعت محرموں کے ساتھ لندن بھیجنے کے متعلق ہے سوال کے الفاظ یہ ہے زید کی والدہ اپنے شوہر کے ساتھ لندن جائیں گی مگر گھر میں چھوٹے بچے بھی ہیں ایک پندرہ سالہ لڑکی بھی ہے۔ والدین کے عدم موجودگی میں بچوں کی نانی بچوں کی دیکھ بھال کے لئے تیار ہے۔ تو ایسے حالات میں یہ سفر جائز ہے یا نہیں؟ اور مستورات کا جماعت کی شکل میں دور دراز کا سفر بغرض تبلیغ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا اور اس کو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے اور پختہ کرنے کیلئے آمادہ کرنا ہے اور اس جذبہ کو عام کرنے کیلئے طویل سفر بھی اختیار کئے جاتے ہیں جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کیلئے محتاج ہیں۔ عورتیں بھی محتاج ہیں۔ اور گھروں میں عامةً اس کا انتظام نہیں ہے لندن یا کسی دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ حدود شرع کے پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں تو شرعاً اس کی اجازت ہے بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے۔ اگر بچے اتنے چھوٹے نہیں کے بغیر والدہ کے تڑپیں گے اور ان کی پرورش نہیں ہو سکے گی اور بچوں کی نانی ان کی دیکھ بھال اطمینان بخش طریقہ پر کرلیں گے۔ اور پھر اجازت ہے، خدائے پاک اس سفر میں برکت دے نصرت فرمائے اور کامیاب واپس لائے بچوں کو عافیت سے رکھیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۹۱۱۲/۲ھ الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۴ ص ۱۰۷ بحوالہ بالا ص ۱۰۲)

عورتوں کی تبلیغی اجتماعات میں شرکت:۔

حضرت مفتی صاحب ایک استفسار کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں۔۔۔۔ استفسار کا تلخیص یہ ہے۔

سوال: مروجہ طریقہ پر جو دینی اور تبلیغی جلسے ہوتے ہیں اس میں وعظ وتقریریں اور نصائح بیان کئے جاتے ہیں، ایسی مجلسیں یقیناً بابرکت ہیں مگر سوال یہ ہے کہ ایسے جلسوں میں عورتوں کا شریک ہونا عند الشرع کیا حکم ہیں؟ عام عورتیں تو کیا جب کہ ایک عورت ایسی ہو جس کو ضروری علم حاصل ہو تو ایسی صورت میں جلسوں کی مجلس میں آمد ورفت کیسا ہے جب کہ جلسہ زیادہ تر رات ہی میں ہوتا ہے اور جلسہ میں کم از کم چار، پانچ سو مرد جمع ہو جاتے ہیں اور عورتوں کا یہ کہنا کہ نیک کام میں جا رہی ہوں صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور یہ طریقہ عورتوں میں عام ہو رہا ہے۔؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: عورت کے لئے اعلیٰ بات یہ ہے کہ گھر میں رہے دینی مسائل کی ضرورت ہو تو شوہر، باپ وغیرہ سے معلوم کریں کتاب سمجھ سکیں تو کتاب میں دیکھ لیں۔ جو مسئلہ شوہر وغیرہ سے بھی معلوم نہ ہو سکے اور کتاب بھی نہ ملے یا سمجھ میں نہ آوے، تو وہ شوہر، باپ وغیرہ کے ذریعے کسی عالم سے دریافت کرے۔ نہ خود باہر جائے اور نہ کسی کے پاس خط لکھے جب کہ فتنہ کا اندیشہ ہو لیکن مسلمانوں میں بے علمی اور بے دینی کی فضاء عام ہے ہزاروں میں ایک آدھ ہی مشکل سے ملے گا جو علم وعمل میں پختہ ہو یا اس کو علم وعمل کی لگن ہو اس لئے علم کو عام کرنے کی ضرورت ہے اور عمل کو بھی، دین سیکھنے کا جذبہ بھی ہونا چاہئے پھر یہ کی چند مسائل میں دین محدود نہیں

اجتماعات میں شرکت کرنے سے دینی جذبہ قوی ہوتا ہے اس جذبہ کے اثر سے دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے۔ایمان میں پختگی آتی ہے حضورؐ کے طریقہ کو سن کر قلب میں اصلاح کا ولولہ پیدا ہوتا ہے ان فوائد کے پیش نظر پورے پردہ کے ساتھ جانا ہو اور کوئی فتنہ نہ ہو تو بلا مجبوری ان کو شرکت سے روکنا نہیں چاہیئے بلکہ شوہر یا کوئی محرم اپنے ساتھ لے کر جائے وہاں خود بھی منتفع ہوں اور ان کو بھی محروم نہ رکھے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۱۲/۱۱/۷ ۹۲ھ ۔فتاویٰ محمودیہ ج ۲۰ ص ۱۴۱ تا ۱۰۷ کچھ حذف کے ساتھ۔

بحوالہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ اور جماعت تبلیغ ص ۱۵۴ (اضافہ از ادارہ)

آداب دعوت:۔

دعوت کے آداب مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔مثلاً دعوت کیا ہوگی، داعی کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے جس کو دعوت دی جاتی ہے اس کی شان سے متعلق چند باتیں، آداب دعوت کے عنوان کے تحت شامل ہوں گی۔پہلی بات کہ دعوت کیا ہوگی؟ تو دعوت دین اسلام کی طرف دی جاتی ہے۔جو موضوع سخن ہے۔دین اسلام کی طرف دعوت ہی کے ذریعے دعوت کے موضوع کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ ”دکتور محمد حسن الحمصی دامت برکاتهم الدعوة و الدعاة الا سلاميه المعاصره “میں دین اسلام سے متعلق آیات نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ومن يتبغ غيـر الاسـلام دينا فلن يقبل منه. الآيه وهٰذالدين الذی تدور حوله الـدعوه بشمل علي الأمور الرئيسية لتاليه 1 –العـقيدة، علٰى معنیٰ "ان الدعوة هنا لبيان تشريعات الله تعالیٰ من صوم وصلوٰة وزكاة وبيع وزواج وسلم وحرب و غيرها" وذٰلک يكون بالقيام بتعليم هٰذه الامور التی شرعها الّدين الحنيفه و شرحها، وبيان الحكمة منها والأسرار التی تنطوی عليها2 – الأداب والقيم وأنواع السلوک بشكل عام علٰى معنیٰ أن الدعوة تتركزعلٰى بيان هٰذه الآداب وشرح محاسنها و مزاياها (ص ۲۸)

سـمـاحة الشيـخ عبـدلعزيز بن عبدالله بن باز اپنی کتاب " الدعوة الٰی الله و اخـلاق الدعاة" میں فرماتے ہیں کہ

(الامر الثالث : بيان الامر الذی يدعیٰ اليه)

أمـا الشیئ الذی يدعی اليه و يجب علی لدعاة ان يوضحوه للناس كما او ضحه الرسل عليهم الصلوة والسلام فهو الدعوة الـی صـراط الله المستقيم و هو الاسلام، وهو دين الله الحق.هٰذا هو محل الدعوة كما قال سبحانه (اُدع الـی سبيـل ربک) فسبيل الله جل وعلا هو الاسلام، و هو الصراط المستقيم، و هو دين هٰذالذی بعث بهٖ نبيـه محمد عليه الصلوة و السلام هٰذا هو الذی تجب الدعوة اليه، اِلی مذهب فلان، و الی رأی فلان و لكن و الی دين الله المستقيم الذی بعث الله به نبيه و خليله.(الدعوةِ الی الله و اخلاق الدعاة ص ۲۶ ۲۴)

نیز ”مستـلـزمات الدعوة فی العصر الحاضر “ میں عـلامـه علی بن صالح المرشد اصول الدعوات کے تحت لکھتے ہیں: من الاجمال السابق للدعوات لله تعالیٰ نعرف فانهاجميعاً ذات أصول واحدة نذكرها فيمايلی:

ا. التوحيد :

رسل الله تعالىٰ جميعا دعوا الى التوحيد المطلق لله تعالىٰ الذى يقتضي توحيد الألوهية و الربوبية معاً. كان ذٰلك هو الهدف الأساسي من رسالته بقوله تعالىٰ: وماأرسلنا من قبلك من رسولٍ الا نوحى اليه أنه لا اله الا انا فاعبدون الا ية.

٢۔اثبات الرسالة:

اثبت الرسل جميعاً رسالتهم لأن ذٰلك هو الطريق الذى يثبت الوحى و يؤدى الى التّصديق فى كل مايأمرون به أوينهون عنه. ولقد حاول المعاندون ردّ رسالة البشر فأنكروها، ليسقط بهٰذا الانكار كل ما يدعون اليه، لكن رسل الله أثبتوها بالمعجزة، و بالاقناع العقلى و اِسقاط شبه المعارضين على نحو مابيّناه.

٣. الدعوة الى العبادة:

كان لا تفاق الرّسالٰت فى اثبات وحدانية الله أن اتفقت بالظهورة فى حتمية التوجهِ الى الله الواحد بالعبادة الخالصة التى تشعر بالانسان المخلوق باحتياجه الى الله الخالق. و ضرورة العيش فى حقيقة العبوديهة وصدقها، جاء فى المحاسن التاويل " العبوديه" عند جميع العرب اصلها الذلة وا لطريق المذ لل للسير يسمى معبداً و ماسمى العبدبالعبدِ الالذ لته لمولاه، و فى العبودية تحرير النفس لله و تخليصها لعبادته وحدهٗ لايشركه شئ ما ، لا فى حبّه ، و لا فى خوفهٖ، اوٗرجا ئهٖ ، او التوكل عليه و التقرب اليه.

۴. الدعوة ِ الى الاخلاق :

بدأالرسل فى دعوتهم الى الا خلاق مع بداية الأخلاق ، حتىٰ يصنعوا بالاخلاق حاجزا بين النّفس و شهوتها، والقلب و هواه، و يرسموا لا نسا نيته طريقا ملياً بالفضائل والصّلاح.

۵. اثبات يوم القيامة :

يوم القيامة ومافيه من فوز للمطيعين و عقاب للعصاة بعد بعث الخلا ئق وحسابهم اجمعت الدعوات على تاكيد اثباته حتى يشعرالانسان بالمسئولية الدّائمة فى كلّ شيء و يعلم ان كل مايفعله فى حياتهٖ الدنيا سوف يلقاه فى الاخرة ان خيرا فخير و ان شراً فشرّ. (مستلزمات الدّعوة فى العصر الحاضر. ص ۱۴۳ تا ۱۴۴)

اس سے آگے چل کر "مستلزمات الدعوة فى العصر الحاضر " ص ۱۴۲ پر واجباتِ داعی کی فہرست بیان کی ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ :المبحث الثالث (واجب الدعاة نحو وسائل وأساليب الاعلام)

۱۔(توحید باری تعالی) الدعوة لوحدا نية الله تعالیٰ و العبودية الخاصه له و حده' دون سواهُ .

۲۔(انسان کو انسانوں کی عبادت سے آزاد کرانا) تحرير الا نسان من عبودية العباد و انقاذه من سيطرة الأهواء و الشهوات و الغرائز.

۳۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر :۔۴۔(حکم کا اعلان) اعلان حكم الله فى كل أمر من الا مور.

۵۔(جہاد سے روح بیدار کرنا)موجهة الحملات الاعلامية المعادية و تنشيط الروح الجهادية عند المسلمين.

۶۔(عوامی ترجیحات کا ارتقاء) ترقية ار تجاحات الناس و السموبعقولهم.

۷۔(جہالت سے نجات دلانا) محو ا لأمية بأ شكالها المختلفة ، أمية الفكرولحرف.

۸۔(امت کی فکری، مسلکی، رواداری، یکجہتی، تعارف اور تالف پیدا کرنا)السعى لتوحيد الامة' فكراً و سلوكاً وولاءً و اتحاد التعارف و التآلف بين أ بنائها.

۹۔(قضایا اسلامی کا قیام و کمزور مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ کرنا) تعميم قضا يا الاسلامى و المطالبة بحقوق المسلمين المستضعفين.

۱۰۔(مغربی تہذیب سے دوری اور اسلامی انداز فکر بیدار کرنا)تعرية الحضارة الغربيه.

۱۱۔(تمام اسلامی شعبوں کے لئے ذرائع اعلام عام کرنا)تعميم الوسائل الاعلاميه على الشعوب الاسلاميه.

مدعو (جسے دعوت دیجائے) اس سے متعلق آداب دعوت:

اس کا حق ہے کہ اس کے پاس آیا جائے اور اس کو دعوت دی جائے اس کی توہین نہ کی جائے وہ اس کا بھی مستحق ہے کہ اس کی شان و مرتبہ کا لحاظ رکھا جائے۔

داعی کی خصوصیات:۔

دعوت کے سودمند اور نتیجہ خیز ہونے کیلئے ایک داعی و مبلغ کو جن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے ان میں سے بعض درج ذیل ہیں۔انسانی صفات تقریباً تین طرح کی ہیں(۱)نفسانی(۲)جسمانی(۳)اجتماعی۔جب کہ مستلز مات الدّعوة میں ہے يجب أن يتصف الداعيه بصفات خاصّة حتى يكون موضع الاجلال و التقير من الذين يدعوهم الى الله تعالیٰ وهٰذه الصفات تنقسم الى ثلاثة أقسام(۱)صفات نفسيه(۲)صفات جسديه(۳)صفات اجتماعية (مستلزمات الدّعوة۔ص۲۱۲)

أما الصفات النفسيه فتشتمل على مايلي :

۱. العلم :

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ العالم علیٰ غیر علم کالسائر علی غیر طریق و العامل علی غیر علم مایفسد أکثر مما یصلح. و فی الحکم :(من سلک طریقاً بغیر علم ضلّ و من تمسک بغیر أصل زلّ) واما الکاذب فلا خیر فیہ ولعنۃ اللہ علی الکاذبین. لھٰذا حرم اللہ سبحانہ القول علیہ بغیر علم و جعلہ من افحش الکبائر فقال تعالیٰ: ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال وھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب. وقال تعالیٰ : قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا مابطن والا ثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون .الایہ (اعراف آیت ۲۳۰) داعی کے لئے علم اس لئے ضروری ہے کہ جب دعوت دے گا۔ تو لوگ مختلف قسم کے سوالات کریں گے۔اور اگر جواب نہ دے تو نظروں سے گر جائے گا۔اور قابل توجہ نہ رہے گا۔اور بسا اوقات سوالات کا مدعا چیلنج اور ہٹ دھرمی کی بناء پر ہوتا ہے۔اس کے لئے بھی مجادلہ حسنہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ورنہ داعی کے ساتھ دعوت کا استخفاف اور اتہان (کمزور کرنا)لازم آئے گا۔جو دعوت کے پیش نظر فائدے کے بجائے الٹے نقصان کی صورت میں ظاہر ہوا۔

۲۔عمل:

علم سے مطابق عمل بھی ضروری ہے تا کہ اس کا فعل قول کی تکذیب نہ کرے۔ بلکہ اولاً خود عمل کر کے دکھائے۔اور جس کام سے منع کر رہا ہو۔اس نے خود کرنے کا اہتمام کرے۔ارشاد خداوندی ہے کہ" اتا مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (البقرہ) نیز فرمایا کہ مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا. الایہ. یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد ..... کانوا لایتنا ھون عن منکر فعلوہ. (الایہ) جہنم میں سب سے پہلے بے عمل عالم کو ڈالا جائے گا۔یطلع یوم القیامۃ قوم من اھل الجنۃ علی قوم من اھل النار . فیقولون لھم مأ دخلکم النار؟ وانما ادخلنا الجنۃ بفضل تادیبکم وتعلیمکم فیقولون: انا کنا نامر بالجنۃ ولا نفعلہ و ننتھی عن الشر و نفعلہ ۵۱. ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ اپنے قول ،فعل اور طرز وطریق ہر ایک میں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھے۔ لقولہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (احزاب ۲۱)

عرض آپ ﷺ کی ذاتی خصوصیات کے علاوہ ہر ہر قول و فعل میں آپ کی حیات طیبہ نمونہ ہے۔اس کے مطابق دین پر عمل کیا جائے گا۔ اور اس سے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ما اتا کم الرسول فخذوہ ، ومانھا کم عنہ فانتھوا .(الایہ) یعنی داعی اسلام کو اپنے اقوال وخصال، حرکات ،سکنات بلکہ اپنی چاہت وخواہشات تک میں اسلام کی عملی تصویر ہونے چاہئے۔جس تک پہنچنے کے لئے داعی کا چند صفات سے آراستہ ہونا لازمی ہے۔

۱۔علم ۲۔عمل۔کی تشریح گزرگئی۔

۳۔حکمت:

حکمت داعی کے لئے وہ بنیادی اور ضروری چیز ہے جو انتہائی اہم ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة (النحل آیت ۵۲) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت میں نبوت کی استدعا کی تو اس میں نبی صاحب حکمت کا سوال کیا۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک و یعلمھم الکتٰب والحکمة (بقرہ آیت ۱۲۹) حق تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور صاحب کتاب وحکمت اور معلم مبعوث فرما کر باعث امتنان قرار دیا۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا...... و یعلمھم الکتٰب والحکمة .... الایہ (ال عمران آیت)

اب سوال یہ ہے کہ حکمت کیا ہے؟

یہ اللہ کی ایسی دین ہے جس میں ہر قسم کی خیر خواہی کا پہلو نمایاں ہو قولہ تعالیٰ یؤت الحکمة من یشاء و من یوت الحکمة فقداوتی خیرا کثیرا (بقرہ) ابن قیمؒ نے حکمت کی تعریف کی ہے کہ الحکمة ھی فعل ماینبغی علی وجه الذی ینبغی فی الوقت الذی ینبغی (الدعاة والدعوة ص ۸۳) مناسب کام کو مناسب طریقے سے مناسب وقت میں کرنا حکمت کا مفہوم ہے۔

۴۔الاخلاص:

کسی بھی کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں سرمایہ اخلاص کا مقدار وافر ہونا ضروری ہے۔بالخصوص ایک داعی حق جو دعوت کے بہترین ثمرات دیکھنا چاہے۔اور اپنے ہدف تک رسائی کا خواہاں ہو۔تو اس کے لئے اخلاص لازمی ہے۔اس کا اولین ثمرہ خود داعی کی ذات میں اس طرح ہو کہ وہ خوف ورجاء دونوں کا جامع ہو۔قرآن کریم میں اخلاص کا مطالبہ اس طرح کیا گیا ہے۔وما امروا الا لیعبدو اللہ مخلصین له الدین (البینہ آیت ۵) اخلاص چونکہ اعمال قلب میں سے ہے اس لئے اس کا مظہر سوائے اس کے کوئی نہیں کہ اپنی عبادت میں خالص ہو جائے۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ ولا یشرک بعبادة ربه احداً (کھف آیت ۱۱۰) الاشباہ والنظائر، میں اخلاص کی تعریف لکھی ہے۔سر بینک وبین ربک بحیث لا یعلمه ملک فیکتب ولا شیطان فیفسد ولا ھوی فیمیل (حاشیة البیری علیٰ الاشباہ)

۶۔تعلق مع اللہ:۔

داعی کا رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق اس طرح مضبوط ہو کہ لحہ بھر بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعودا و علیٰ جنوبھم (ال عمران) فاذکرونی اذکرکم (البقرہ) واذکروا اللہ ذکراً کثیراً (الایہ) اخلاص کے ساتھ احکام شریعت پر (مواقف) کاربند رہنا بہت ضروری ہے۔نبی اکرم ﷺ سے ایک شخص نے اسلام کے متعلق سوال کی تو آپ ﷺ نے ایک جامع مانع جملہ ارشاد فرمایا۔ قل امنت باللہ ثم استقم۔ (مسلم کتاب الایمان)

۷۔عفو ودرگزر:

داعی کو مخاطبین کی طرف سے کسی قسم کا ناگوار دیکھنے میں آئے تو عفو ودرگزر سے کام لیں۔اوران کی بری خصلتوں اور کمزوریوں پر چشم پوشی سے کام لیں۔خذ العفو وامر بالعرف و اعرض عن الجاهلین (اعراف آیت ۱۹۹)واعف عنهم واستغفر لهم وشاور هم فی الامر.

۸۔تواضع وانکساری:

داعی کو صفت تواضع کے ساتھ متفق ہونا بھی ضروری ہے تا کہ اس کے ذریعے سے فضائل کے وہ درجات پا سکے جن کے راستے میں عجب اورخود پسندی مانع ہوا کرتی ہے نبی اکرمؐ نے عجب اورخود پسندی کے بارے میں ارشادفرمایا ہے کہ ان العجب لیا کل الحسنات کماتا کل النار الحطب(البن ماجه کتاب الزهد) مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وما تواضع احد الارفعه الله

۹۔عفت وپاک دامنی،زہدوورع:

ان صفت سے متصف ہونا اس لئے ضروری ہے کہ دنیاوی حرص اورشہوت پرستی یہ تمام چیزیں انسان کوحق سے دور کردیتی ہیں۔اورباطل کے قریب لاکر کھڑا کردیتے ہیں۔

۱۰۔قوت وعزیمت/استقلال:

مبلغ وداعی کو ہرایسی خصلت کا جامع ہونا چاہئے جس کے ذریعے علی الکمال فریضه منصبی کا بجالا سکے۔منجملہ ان کے جسمانی قوت،طاقت بھی ہے۔اس قوت وطاقت کے لئے جسمانی صحت کی رعایت ونگہداشت بھی ہونی چاہئے۔ورنہ داعی دعوت ومسئولیت کے بوجھ کا متحمل کس طرح ہوگا۔اسی کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوی وطاقت ورمومن کو کمزور سے برتر قراردیا۔(المؤمن القوی خیر واحب الی من المؤمن الضعیف و فی کل خیر..)(مسلم)

۱۱.الصناعة:

دنیا کی حرص انسان کی خیر وبھلائی سے دور کردیتی ہے۔اور ہرقسم کی برائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔قولہ علیہ السلام: حب الدنیا راس کل خطیئة (الحدیث) اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کی حرص سے بیگانہ ہوجائے۔اورجس قدررزق میسر ہواسی پر قناعت کریں۔تا کہ خیر وبھلائی کے قریب ہو۔بصورت دیگرمنفی نتائج برآمد ہوں گے۔

۱۲.الصبر:

صبر ایک ایسا وصف ہے جس کی تلقین انبیاء علیہم السلام اور جملہ داعیانِ ادیان کو کی گئی۔کیونکہ بعض یا بہت کم ایسے ہوں گے جنہیں قوم اور مخاطبین کے چیلنجوں کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو بلکہ ہرایک کو ذہنی اور جسمانی ایذائیں پہنچائی گئی جن کے نتیجے میں ردعمل کے طور پر فطری حمیت

مقابلہ یا جوابی کاروائی کیلئے اُجاگر اور بیدار ہو سکتی ہے یا مقابلہ وجواب کی بجائے انہیں دعوت دینا ہی چھوڑ دے لیکن انبیاء کرام علیہ السلام انہوں نے اپنے ہدف اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے درمیانی عرصہ کی تمام تر مشکلات پر انتہائی صبر و استقلال سے کام لیا۔ اس لئے ایک کامیابی کا طلب گار داعی صبر کے زیور سے مزین آراستہ ہو کر ہی خود کو کامیاب داعی ثابت کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ صبر کو دعوت کی کامیابی کے اندر چونکہ خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے قرآن کریم میں صبر کی فضیلت کے ساتھ ساتھ ترغیب وتلقین سے متعلق بھی مختلف مقامات پر جابجا حق تعالیٰ کے ارشادات منقول ہیں۔ ۱. اصبروا و صابروا (ال عمران آیت ۲۰۰). ۲. انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب. (زمر آیت ۱۰) ۳. ولمن صبر و غفر ان ذٰلک لمن عزم الامور (شوری آیت) ۴. فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تستعجل لھم (احقاف ۳۵) ۵. وجعلنا منھم ائمة یھدون بامرنا لما صبروا ... (السجدہ آیت ۲۴) ۶. یبنی اقم الصلاة وامر بالمعروف وانه عن المنکر واصبر علی ما اصابک (لقمان ۱۷) ۷. ولقد کذبت رسل من قبلک علی ما کذبوا واوذو حتی اتا ھم نصرنا (الا نعام آیت ۳۴)

۱۳. قوت بیان:

دین کی تبلیغ ودعوت میں دیگر وسائل کے بنسبت تحریر اور تقریر خاص اہمیت کے حامل ہے کہ خطابت اور بیان کے ذریعے انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتا ہے۔ اور دعوت کو بہترین پیرائے میں پیش کرنے کی اس طرح صلاحیت حاصل کر سکتا ہے۔ جو مخاطبین کے لئے وقیع اور جلد موثر ثابت ہو سکے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کا ضرورت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام زبان کی فصاحت بیان کی وضاحت کیلئے واحلل عقدة من لسانی کا سوال کیا اور اپنے بھائی کے حق میں نبوت کی عظیم سفارش کرنے کیلئے ان کی فصاحت زبانی کو ذریعہ وعلت کے طور پر پیش کیا۔ اخی ھٰرون ھوا فصح منی لسانا (قصص آیت) ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی (شعراء ۱۳) فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی فصاحت وسلاست لسانی کی بنیاد پر تفصیل دینا چاہی ام انا خیر من ھٰذا الذی ھو مھین ولا یکاد یبین (زخرف آیت ۵۲) حق تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے احسانات جتلائے ہوئے تعلیم بیان کو بھی ذکر کیا۔ الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان (الرحمٰن آیت ۱۸) نسوانیت کی کمزوریوں میں اس کو بھی شمار کیا کہ وہ قصہ میں واضح طور پر مخاطبت نہیں کر سکتی۔ او من ینشأ فی الحلیة وھو فی الخصام غیر مبین (زحزف ۱۸)

۱۴۔ وقار:

وقار ایک ایسی نعمت خداوندی ہے جس کے ذریعہ انسان مخلوق کے ہاں رعب و بزرگی کا ہتھیار لیتا ہے۔ جس کے بعد انتفاع واستفادے کے لئے مرکز توجہ بن جاتا ہے اس لئے ایک داعی حق کی طبیعت میں وقار کا ہونا بھی لازم ہے یعنی فضول گوئی، بے جا اشارات وحرکات سے بچے اور طالب یا سائل کی طرح بھرپور توجہ کرے۔ تمام کاموں میں جلد بازی اور چھچھورے پن سے احتراز کرے۔ بے جا اور غلط قسم کی ہنسی مذاق یا ایسے لوگوں سے میل جول رکھنا یا ایسی مجالس ومحافل میں شرکت یہ تمام امور وقار کے منافی ہیں اس لئے داعی کے لئے ان سے بچنا لازمی ہے۔

۱۵۔تقویٰ:

حق تعالیٰ کی اطاعت گزاری کے ذریعے اس کی ناراضگی سے بچنا تقوی کہلاتا ہے۔اس کی بدولت رب تعالیٰ داعی کی زبان میں وہ تاثیر پیدا کرتے ہیں جو اپنا اثر فوراً دکھاتی ہے۔قرآن کریم نے مختلف مقامات پر تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔یـٰا یھا الّذین امنو اتقوا اللہ و قولوا قولا سدیدا. (احزاب) یٰا یھا الذین امنوا ان تتقو اللہ یجعل لکم فرقانا..... الایة (سورة انفال) نبی کریم ﷺ اس کی باقاعدہ دعا کیا کرتے تھے۔(اللّٰھم انی اسئلک الھدیٰ والتقیٰ والعفاف و الغنیٰ (مسلم).تقوی کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حرام تو کیا مشتبہات سے بھی بچنے کا اہتمام کیا جائے۔تقوی کہلاتا ہے۔اور یہ کہ شک وشبہات کے مقامات سے بھی دور رہے۔ورنہ اس کا اخلاص مشکوک ہوگا۔جس کے نتیجے میں دعوت کمزور ہوگی۔اور اس کی قبولیت بھی اسی شان کی ہوگی۔

۱۶۔صدق/سچائی:

وثوق واعتماد اور حقیقت کو تسلیم کرانے میں سچائی کا بہت اہم دخل ہے صدق دعوت کی ایک ایسی ضرورت ہے کہ اسی کے ذریعے اپنی دعوت کی حقیقت وصداقت کا اعتماد دلایا جاسکتا ہے۔قرآن کریم صادقین (سچوں) کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔(کـونـو مـع الـصادقین (توبه) وقولوا قولا سدیدا. الایة) اور حدیث شریف میں صدق کو بھلائی کا واسطہ،ذریعہ قرار دیا ہے۔(ان الصدق یھدی الی البر وان لبر یھدی الی الجنة وان الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقاً وان الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النار وان الرجل لیکذب حتیٰ یکتب عنداللہ کذابا (مسلم کتاب البر) یہ وہ وصف ہے جس کے ذریعے داعی مختلف دلوں کو متحد کرلیتا ہے۔اور اس کی بدولت انسان کا مزاج اس قدر ٹھوس اور مضبوط ہوجاتا ہے۔کہ وہ مختلف الانواع سخت ترین مواقع کا مقابلہ کرنے میں بھی دشواری نہیں کرتا۔اس لئے داعیان کے لئے لازمی ہے کہ بردباری عفو ودرگزر کو اپنا مزاج بنائے۔غیض وغضب اور انتقام سے قطعاً پرہیز کریں اس لئے کہ انہی چیزوں کی وجہ سے مدعوین میں نفرت کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔اور دعوت پر کان دھرنے اور اس سمجھنے کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہے۔اس لئے قرآن میں اس کی ترغیب بھی مذکور ہے۔(ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم (النور ۲۲) ادھر داعی اول حضرت پاک ﷺ کو پہنچنے والی ایذاؤں کا موازنہ کیجئے۔اُدھر پاک ﷺ کی بردباری کا اندازہ لگائیے۔حضرت سفیانؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچانے میں جنگی مقابلوں،محاربوں میں سپہ سالار کی حیثیت سے کیا کرتے تھے۔اور ہر طرح کی ایذارسانی کو باعث تسکین سمجھتے تھے لیکن آپ ﷺ ان کی تمام تر جنایات اور زیادتیوں کو معاف فرمایا اور مزید اعزاز دیتے ہوئے آپؓ کے گھر کو بیت الامن (امن کا گھوارہ) قرار دیا۔اگر داعی بردباری سے عاری ہوتو یہی نہیں کہ وہ اس کے نتیجے میں اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکے گا۔بلکہ لوگ اس کے قریب بیٹھنا بھی ترک کردیں گے۔ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضو من حولک. (ال عمران ۱۰۹).

۱۸۔حفاظت و بچاؤ کی تدبیر:

مخالفین کی ہٹ دھرمی او مخالفت بسا اوقات اوچھے ہتھکنڈوں کی طرف لے جاتی ہے اور وہ مخالفت میں آ کر داعی کی دعوت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ داعی کے خلاف کسی بھی قسم کی گرفت اور کارروائی کر گزرنے پر آجاتے ہیں ایسے میں داعی خود کو ہلاکت کے منہ میں دینے کی بجائے اس سے بچاؤ کا راستہ اختیار کرے قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یا یھا الذین امنوا خذوا اخذرکم فانفروا ثباتاً اوانفروا جمیعاً (النساء) واعلموا ان اللہ یعلم مافی انفسکم فاحذروہ (بقرہ) خود داعی اول حضرت پاکؐ کی دعوت قریش پر گراں گزرنے کی اور وہ آپ ﷺ کو مختلف طمع و لالچ کے ذریعے مقصد اصلی سے ہٹانے میں ناکام ہوگئے۔تو قتل کی سازش کی۔اور آپ ﷺ کے دروازے پر گھات لگائے ہوئے تھے۔جب حضورؐ نے یہ دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر میں اپنے بستر پر لٹھا کر خود چل دئے۔عرض یہ کہ حذار اور حفاظت مشروع ہے تو اس کو اختیار کرنا بھی شرعی حکم ہوگا۔حذار اور وقایہ صرف یہی نہیں کہ آدمی خود کو ہلاکت کے منہ سے بچائے۔بلکہ یہ بھی اس میں داخل ہے کہ اپنے نفس کو معصیت میں واقع ہونے سے محفوظ رکھنے کی سعی و کوشش کرے۔اہل و اولاد کے فتنے اور خواہشات کی اتباع میں مبتلا ہونے سے بچے۔

۱۹.الامانة:

صفت امانت سے متصف ہونا شاق ہے مگر کامیاب داعی کے لئے اس کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔جس شخص میں یہ وصف پیدا ہو جائے۔وہ اپنے تمام واجبات کی ادائیگی خوش اسلوبی سے نبھائے گا۔بالخصوص دین متین کی امانت کی ادائیگی میں انتہائی اہتمام سے کام لے گا۔امانتداری کو ایمان کا معیار قرار دیا۔ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا ایمان لمن لا امانة له.......... (الحدیث).اور قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ان اللہ یامرکم ان تودو الامانات الی اھلھا (النساء)دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ انا عرضنا الامانة علی السموٰت والارض (الاحزاب)ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحا وقال اننی من المسلمین.... آیت ۳۳ تا ۳۴ حم السجدہ) ان آیات کریمات سے یہ وضاحت مستفاد ہوتی ہے کہ داعی ان مذکورہ صفات نفسیہ کا حامل ہونا چاہئے اور اگر ان میں جبلی طور پر یہ اوصاف نہ ہوں تو بھی وہ ان اوصاف کے اتصاف میں اور اپنے اندر پیدا کرنے میں ازادانہ کوشش کریں۔گو یہ انتہائی شاق سہی لیکن مرتبہ دعوت اور اس کی شان کے بڑائی کے آگے یہ مشقت ہیچ ہے۔کیونکہ کلمہ دعوت کو بہترین کلمہ کہا گیا ہے۔ لقولہ تعالی ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ.

۲۰.المحبة:

داعی کے لئے ضروری ہے کہ جذبہ محبت سے سرشار ہو۔اللہ اور رسول خدا ﷺ کی محبت جزء ایمان ہے۔اس لئے آئندہ دلائل کی بناء پر امت مسلمہ کا اس کی فرضیت پر اجماع منقول ہے۔قولہ تعالیٰ۔ والذین امنو ا اشد حباللّٰہ (بقرہ)"یحبھم ویحبونہ (مائدہ)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (ال عمران)

قولہ صلی ﷺ لا یؤمن احدکم ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ من اھلہ ومالہ والناس اجمعین (بخاری) غرض یہ کہ انسان کے اندر حق تعالیٰ کی محبت کا جذبہ محبوب کی شان وقدر کو سامنے رکھتے ہوئے ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ اس کو تمام ترمرغوبات اللہ کی محبت کے سامنے ہیچ دکھائی دیں اور حق تعالیٰ کے منشاء کی بجا آوری میں کوئی چیز مانع نہ بن سکے قولہ تعالیٰ قل ان کان آباؤکم واخوانکم احب الیکم من اللہ ورسولہٖ وجہاد فی سبیلہٖ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہٖ (التوبہ) بلکہ حق تعالیٰ کی محبت اپنے نفس اہل، مال اور اولاد سے بھی زیادہ ہونی مطلوب ہے۔ ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ، ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہ .

۲۱۔ فطانت اور مخاطب کی نفسیات کی معرفت:

تا کہ موقع ومحل کی مناسبت سے مخاطب کے مزاج کو دیکھ کر دعوت دے۔ (نفسیات کی معرفت کا اہتمام دوسری جگہ بھی ہو رہی ہے)۔

الثانی ۲. جسمانی صفات:

وہ صفات جن کا داعی میں پایا جانا ضروری ہے۔ اور تبلیغی پروگرام کی اعلیٰ کارکردگی میں ممد ومعاون بنتی ہیں۔ ان میں جسمانی طور پر ہر ایسی مرض وعارضہ سے سلامتی میں ہونا بھی از حد ضروری ہے جو موذی ہو یا نفرت کا باعث ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو حسب نسب، ظاہری وباطنی تمام ترعادات سے اس طرح صاف وستھرا کر دیا کہ کسی کو انگشت نمائی کا موقع ہی نہ مل سکے یہاں تک کہ حسن ہیئت کی ترغیب دی۔ قولہ تعالیٰ وثیابک فطھر (مدثر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت جبرائیل کا بہترین اعلیٰ لباس میں آنے سے غرض یہی تھی۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ (ان اللہ جمیل ویحب الجمال)

الثالث ۳۔ داعی کی اجتماعی صفات:

وہ صفات جن کا تعلق داعی کی ذات سے بڑھ کر مخاطبین اور متعلقین تک جاتا ہے۔ ان میں سے حسن اخلاق بھی ہے۔ اسلام میں ایک عظیم مقام رکھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی اسے قرار دیا ہے۔ قولہ علیہ الصلوۃ والسلام : انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق . ایک حدیث میں ہے۔ دین کی تعریف ہی حسن خلق سے کی گئی۔ ان رجلا جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ، یارسول اللہ : ماالدین ؟ فقال رسول اللہ صلی علیہ وسلم حسن الخلق (مسلم ، کتاب البر).

۲۔ صلحاء کی صحبت:

فساق وعصاۃ (نافرمانوں) کی صحبت سے پرہیز کریں۔ کیونکہ آدمی کی حیثیت کی کسوٹی اس کے ہم نشیں ہیں۔ اگر فساق وفجار کا مصاحب و ہم نشین ہو تو لامحالہ ان سے متاثر ضرور ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوں تو عوام کی نظریں رفقاء وجلساء کی صحبت پر ہوں گی۔ داعی کا وقار ان کے دل

میں نہ ہوگا۔تو داعی کی اہمیت بھی نہ ہوگی۔اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے جلساء اور رفقاء بھی ایسے ہوں جن پر انگشت نمائی نہ ہوسکے۔قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے فساق اور معرضین (اعراض کرنے والوں سے) پہلوتہی کا حکم دیا ہے۔**واعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا (نجم ۲۹)واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً (فرقان) ۶۳**

۳۔محبت: اس کا بیان نفسانی صفات میں گزرا محل اس کا یہی ہے۔

۴۔عہد کی پاسداری:

جس کے پاس عہد کا پاس نہ ہو اس کا دین نامکمل ہے۔اس لئے ایک کامیاب داعی دین کے لئے انتہائی لازم ہے۔کہ بذات خود دین پر کاربند ہو۔بالخصوص عہد کی پاسداری جس کو دین کی پرکھ قرار دیا ہے۔**قولہ علیہ السلام . لا دین لمن لا عھد لہ** .عہد سے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے۔کہ **واوفوا بالعھد ، ان العھد کان مسئولا . (بنی اسرائیل).**

۵۔جودوسخا:

اہم ترین صفت جس کے ذریعے سخت دلوں کی نفرت کو دور کیا جاتا ہے(**کان رسول اللہ صلی علیہ وسلم اجو د الناس کافۃ**).

۶۔شجاعت وبہادری:

تاکہ حق کے اظہار میں پست زدہ نہ ہو۔اور اللہ کے دین کی اشاعت میں(**لو مۃ لائم) عن عبادہ بن صامت**[رض] **قال بایعنا رسول اللہ** ﷺ **علی ان نقول بالحق این ما کنالا نخاف فی اللہ لومۃ لائم. (بخاری ، احکام ، مسلم، امارت)**

۷۔نظام:

نظم وضبط ایسی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان کو اپنے مقاصد واہداف تک پہنچنے کے لئے کسی قسم کا ناخوشگوار صورتحال کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔بالخصوص اسلام تو ہی ہے نظام والا دین۔اس کے ہر ہر رکن کی ادائیگی کے لئے نظام موجود ہے۔نماز کی ادائیگی ہو یا فریضہ زکوۃ سے سبکدوشی سارے اعمال ایک نظام کے تحت ادا ہوتے ہیں۔اس طرح داعی اسلام کے لئے بھی ایسے نظام الاوقات کا ہونا ضروری ہے۔جس میں اس کا دن اور وقت اجزاء پر منقسم ہو۔ایک حصہ اپنے واجبات کی ادائیگی کے لئے ایک نفس کے آرام کے لئے ایک جزء اہل خانہ کے لئے اور ایک حصہ عبادت کے لئے اور ایک حصہ دعوت وتبلیغ کے لئے ہونا چاہیئے۔(**ھذہ کلھامستخرجۃ من کتب مختلفۃ من مستلزمات الدعوۃ (والدعوۃ والدعاۃ الاسلامیہ خاصۃ مع تغیر و تبدیل تقدیم و تاخیر) وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین.امین.)**